تحقیق و تنقید

فارسی کی قدیم ترین تفسیر یعنی تفسیر طبری (ترجمہ)

پروفیسر نذیر احمد

فارسی میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر کی روایت بہت قدیم ہے، قدیم ترین فارسی تفسیروں میں محمد بن جریر طبری کی تفسیر 'جامع البیان فی تفسیر القرآن' کا فارسی ترجمہ، تفسیر کیمبرج[1]، تفسیر سور آبادی[2]، تفسیر پاک[3] وغیرہ قابل ذکر ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور تفسیر یا ترجمۂ تفسیر طبری ہے، اگرچہ خود محمد بن جریر طبری نے براہ راست اس کو فارسی میں نہیں لکھا تھا، بلکہ اس کی وفات کے تقریباً ۴۰ سال بعد علماء کی ایک جماعت نے

---

[1] یہ ایک تفسیر تھی جو اصلاً چار جلدوں میں مکمل ہوئی تھی، اب اس کی آخری دو جلدیں کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانے میں ذیل شمارہ Mm.4.15. Erpenius محفوظ ہے، محققین کا خیال ہے قرن پنجم کے نصف اول سے قبل کی ہے، نسخے کی کتابت ۶۲۸ھ میں ہوئی، دو ضخیم جلدوں میں بنیاد فرہنگ ایران کی طرف سے ڈاکٹر جلال متینی کی تصحیح اور عالمانہ مقدمہ کے ساتھ ۱۳۴۹ شمسی میں شائع ہوئی ہے۔

[2] اس کے مصنف ابوبکر عتیق سور آبادی ہیں جو قرن پنجم کے اہم دانشمند تھے، اس کا ایک حصہ ڈاکٹر یحیٰی مہدوی کے مقدمے کے ساتھ ۱۳۴۷ میں شائع ہوا، اور اس کا عکسی نسخہ بنیاد فرہنگ کی طرف سے ۱۳۴۵ھ میں دو سال قبل شائع ہوچکا تھا۔

[3] تفسیر پاک یہ اصل ایک قدیم تفسیر کے باقی ماندہ جزء کا نام دیا گیا، یہ باقی ماندہ اجزا پنجاب یونیورسٹی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اس کو فارسی کا جامہ پہنایا تھا، لیکن بعض لحاظ سے یہ تفسیر سب سے اہم ہے۔
اول یہ کہ یہ تفسیر اسلامی دور کے سب سے بڑے مفسر اور مورخ کی تراوشِ خامہ کا نتیجہ ہے۔
دوم یہ کہ باوجود اس کے کہ فارسی تفسیر محض ترجمہ ہے، لیکن یہ ترجمہ بھی تمام دریافت شدہ تفاسیر اور تراجم میں سب سے زیادہ قدیم ہے۔
سوم یہ کہ اس میں مسائل پر جس طرح عالمانہ نظر ڈالی گئی ہے، دوسری تفسیریں اس سے عاری ہیں۔
چہارم یہ کہ دریافت شدہ تفاسیر میں یہ سب سے زیادہ ضخیم بھی ہے۔
پنجم یہ کہ اس کے بارے میں جتنے تاریخی شواہد ہیں وہ کسی ایک قدیم تفسیر کے سلسلے میں نہیں۔
محمد بن جریر طبری (۲۲۶ - ۳۱۰) عالم اسلام کے سب سے بڑے مورخ اور مفسر

میں محفوظ ہیں، اس کا عکس بنیاد فرہنگ تہران کی طرف سے ۱۳۴۷ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ متعدد قدیم تفسیروں کے اجزا باقی رہ گئے، ان میں سے ایک نسخہ کتاب خانہ خسرو پاشا استنبول میں ہے۔ اس کے صرف ۶۰ ورق باقی ہیں، مجتبیٰ مینوی کا خیال ہے کہ تفسیر کیمبرج سے موخر نہیں، یہ تفسیر "بخشی از تفسیری کہن" کے عنوان سے بنیاد فرہنگ نے ۱۳۵۱ھ میں شائع کر دی ہے، مصحح محمد روشن ہیں۔
ل۵ ہٹی کا مشہور قول قابل ذکر ہے:

> بنی نوع انسان کے مخصوص کام مسلمانوں کے توسط سے انجام پذیر ہوئے، عظیم ترین فلسفی الفارابی مسلمان تھا، سب سے بڑے ریاضی داں ابو کامل اور ابراہیم بن سنان مسلمان تھے، سب سے بڑا جغرافیہ داں اور دائرۃ المعارفانہ صلاحیت کا حامل المسعودی مسلمان تھا اور سب سے بڑا مورخ الطبری بھی مسلمان تھا۔ (تاریخ عرب)

طبری کی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ابتدائے تحریر سے موت تک اس کے کام کا جو اوسط نکالا گیا تو ۱۴ ورق یومیہ کا اوسط نکلا، اور واضح ہو کہ یہ اوراق علمی فضیلت اور محققانہ بصیرت کے نمائندہ تھے۔

گذرے ہیں، ان کی تاریخ الرسل والملوک، فنِ تاریخ کا شاہکار ہے، جو ۱۵ جلدوں میں لائڈن سے ۱۸۷۹ تا ۱۹۰۱ء شائع ہوئی ہے، ایسی عظیم تاریخ کی ترتیب و تالیف جس ایک ادارے کے بس کی بات نہ ہو، ایک تنہا شخص کی کاوش کا نتیجہ حیرت انگیز ہے، اسی عظیم مصنف کا دوسرا بڑا کارنامہ قرآن مجید[۱] کی تفسیر ہے جو چالیس مجلات پر مشتمل ہے، مشہور سامانی امیر منصور بن نوح کے پاس جب یہ مجلات لائے گئے تو اس کو ان سے استفادہ مشکل ہوا، اس نے علمائے خراسان وماوراء النہر کی ایک مجلس طلب کی، اور تفسیر قرآن کے فارسی میں لکھے جانے کے جواز پر[۲] غور وخوض ہوا، بالآخر طے پایا کہ فارسی میں تفسیر لکھنا اور پڑھنا دو وجہ سے جائز ہے۔ اول یہ کہ خود قرآن میں ہے کہ کوئی پیغمبر بجز اس قوم کی کسی دوسری زبان[۳] میں نہیں بھیجا گیا۔ دوم یہ کہ فارسی نہایت قدیم زبان ہے، حضرت آدم سے حضرت اسماعیل تک سارے پیغمبروں کی زبان فارسی تھی، حضرت اسماعیل پہلے نبی ہیں جن کی زبان عربی رہی ہے، اس کے بعد ماوراء النہر اور خراسان کے علماء کی ایک معتبر جماعت کے توسط سے تفسیر طبری فارسی میں منتقل ہوئی جس میں اسناد وغیرہ کم کرکے صرف ۷ مجلات رہ گئے، خود ترجمۂ تفسیر طبری کے مقدمے کی اہم عبارت[۴] یہ ہے:

> این کتاب تفسیر بزرگ است از روایت محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ، ترجمہ کردہ بزبان فارسی دری راست[۵]، واین کتاب را بیاوردند از بغداد چہل مصحف بود نبشتہ بزبان تازی وبہ اسنادہای دراز بود، بیاوردند سوی

---

[۱] یہ تفسیر علامہ محمود محمد شاکر کی تحقیق کے ساتھ ۱۶ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، ابھی نامکمل ہے۔
[۲] یہ تفصیلات مقدمۂ ترجمہ تفسیر سے ماخوذ ہیں۔
[۳] وما ارسلنا من رسولٍ الا بلسان قومہ لیبین لھم (ابراہیم:۴)
[۴] مطبوعہ نسخہ کی عبارت قلمی نسخے سے خاصی مختلف ہے۔
[۵] صفا نے 'براہ راست' لکھا ہے۔

امیر سید ملک مظفر ابو صالح منصور بن نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل رضی اللہ عنہم، پس دشوار بود بر وی خواندن این و عبارت کردن این کتاب بزبان تازی، و چناں خواست کہ مر این را ترجمہ کنند بزبان فارسی، پس علماء ماوراء النہر گرد کرد کہ روا باشد خواندن و نبشتن تفسیر قرآن بپارسی آں کسی را کہ تازی نداند[۱] از قول خداوند کہ گفت "وما ارسلنا من رسولٍ الا بلسان قومہ" ہیچ پیغامبر را نفرستادیم مگر بزبان قوم خویش تا بدانستندی و دیگر آں بود کہ ایں زبان پارسی از قدیم باز دانستند، از روزگار آدم تا روزگار اسماعیل علیہا السلام ہمہ پیغامبران و ملوکان زمین بپارسی سخن گفتندی و اوّل کسی کہ سخن گفت بزبان تازی اسماعیل بود و پیغامبر ما صلی اللہ علیہ وسلم از عرب بیرون آمد و ایں قرآن بزبان عرب بدو نزد فرستادند و بدیں ناحیت ما زبان فارسی است و ملوک جانب ملوک عجم اند، پس ملک مظفر ابو صالح بفرمود گرد کردن علماء ماوراء النہر از شہر بخارا چوں ابو بکر محمد[۲] بن الفضل الامام، و چوں ابو بکر محمد[۳] بن اسماعیل الفقیہ و چوں ابو بکر احمد بن حامد الفقیہ و چوں خلیل بن احمد السجستانی جبیدالعلماء[۴] و بیاوردند از شہر بلخ چوں[۵] ابو جعفر محمد بن علی عن[۶] باب الہند و الحسن علی بن مندوست الفقیہ و ابو الجہم خالد بن ہانی المتفقہ و ہم ازیں گونہ از شہر سمرقند و اسبیجاب و فرغانہ و از شہری کہ بود دند ہمہ خطہا بداد ندبر ترجمۂ ایں کتاب کہ راست است، پس بیرون آمد فرمان امیر سید ملک مظفر بر دست کسہا و بزرگان و وزیران او و ہر بان خاصہ او و خادم او ابو الحسن فایقہ

---

[۱] اس کے بعد کا یہ اضافہ "و ایشاں فتوی کرد کہ روا باشد کہ ایں کتاب را بزبان پارسی گردانیم" کفتندرامپور کے قلمی نسخے میں جو میرے مطالعے میں ہے، موجود نہیں۔

[۲–۳] صفا: تاریخ ادبیات ج ۱ ص ۶۲ میں یہ دونوں نام محذوف ہیں [۴] یہ ٹکڑا تاریخ ادبیات میں محذوف ہے [۵] ایضاً و از باب الہند الحسن بن علی مندوسی۔

الخالصہ سوی ایں مردمان دعلمار تا ایشان ازمیان خویش ہر کدام دانا تر اختیار کردند تا ایں کتاب را ترجمہ کنند د اقتصار کردند بر متون اخبار وایں را بیست مصحف گردانیدند، ازیں جملہ چہاردہ مصحف بنہادند تفسیر قرآن از اول عالم تا آن وقت کہ پیغامبر ما ازیں جہان بیرون شد و وحی از آسمان گسستہ شد، تا ایں چہاردہ مصحف فرونہادہ آمد، ہر یکی نیم ہفت یک، تا جملہ ہمہ تفسیر قرآن باشد، پس وفات پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم تا آن وقت کہ محمد بن جریر الطبری ازیں جہان بیرون شد اندر سال سیصد و چہل و پنج بود از ہجرت، پس شش مصحف دیگر فرونہادیم تا ایں ہمہ بیست مصحف تمام شد و تفسیر قرآن و قصہا پیغامبران کہ بودند از پس او و قصہا امیران مومنان کہ بودند تا بدیں روزگار کہ یاد کردیم ہمہ گفتہ شود وما ایں ہمہ را اندر ہفت مجلد بران تالیف نسخت کردیم تخفیف را واللہ الموافق للصواب ۔

یہ کتاب محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی ہوئی تفسیر بزرگ ہے، جو فارسی دری میں ترجمہ کی ہوئی ہے، اس کتاب کو بغداد سے لائے، چالیس مجلدات میں عربی زبان میں تھی، اور اس میں بڑے طویل اسناد تھے، اس کو امیر سدید[۱] ملک منظفر ابوصالح منصور بن نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل رضی اللہ عنہم کے پاس لائے، اس کے لئے اس کا پڑھنا اور اس کا عربی میں سمجھنا بڑا دشوار تھا، اس نے خواہش ظاہر کی کہ اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا جائے، پس ماوراء النہر کے علماء کو

۱؎ زین الاخبار ص ۱۶۱، ۱۶۲ میں اس کا نام "سدید" لکھا ہوا ہے، بظاہر "سید" اس کی تصحیف ہے ۔

جمع کرکے فتویٰ پوچھا کہ اس کتاب کو فارسی میں منتقل کرنا درست ہے یا نہیں؟ انھوں نے فتویٰ دیا کہ ایسے شخص کے لئے کہ جو عربی پڑھنا لکھنا نہیں جانتا قرآن کی اس آیت کی روشنی میں وما ارسلنا من رسول الخ (اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو بجز اپنی قوم کے زبان میں تا وہ لوگ جانتے) جائز ہے، دوسرے یہ کہ اس زبان فارسی کو قدیم زمانے سے لوگ جانتے ہیں، حضرت آدم کے زمانے سے حضرت اسماعیل کے قبل تک سب پیغمبر اور بادشاہ زبان فارسی بولتے تھے، اور پہلے شخص جنھوں نے عربی میں گفتگو کی وہ حضرت اسماعیل تھے، اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں مبعوث ہوئے، اور یہ قرآن عربی زبان میں ان پر بھیجا گیا، اور ہمارے اس خطے کی زبان فارسی ہے اور ان اطراف کے حکمراں ملوک عجم ہیں، پس ملک منظفر ابوصالح نے علماء ماوراء النہر کو اکٹھا کرنے کا حکم دیا، مثلاً شہر بخارا سے علماء مانند ابوبکر محمد بن الفضل الامام، ابوبکر محمد بن اسماعیل فقیہ، ابوبکر احمد بن حامد فقیہ، خلیل بن احمد سجستانی جہید العلماء، اور شہر بلخ سے علماء مانند ابوجعفر محمد بن علی (عن باب الہند) الحسن علی بن مندوست فقیہ، ابوجہم خالد بن ہانی متفقہ لائے گئے، اسی طرح شہر سمرقند، اسپنجاب فرغانہ وغیرہ ہر شہر میں جو علماء تھے سبھوں نے اتفاق کیا کہ اس کتاب (تفسیر طبری) کا فارسی میں ترجمہ مناسب ہے،

اس کے بعد سید ملک منظفر نے عوام وخواص، اور اپنے وزیروں (اور اپنی زبان میں) اور اپنے خادم ابوالحسن فائق الخاصہ کے توسط سے عالم لوگوں، (خصوصاً) علماء کو حکم بھیجا کہ اپنے درمیان جن کو خردمند سمجھیں منتخب کریں جو اس تفسیر کا ترجمہ کریں۔ انھوں نے متن اخبار پر مبنی اس کو بیس مجلدات میں مقصور کیا، ان میں سے ۱۴ مجلدات تفسیر قرآن

کے تخلیق عالم سے حضور کائنات کی وفات اور نزول وحی کے خلاصے تک، ان ۴ مجلدات میں سے ہر ایک ۱/۴ حصہ تھا، یہاں تک یہ مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہوئی" پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے محمد بن جریر طبری کی ۳۰۵ھ تک چھ مجلدات مکمل ہوئے، یہ سب ۲۰ مجلد ہوئے ان پر تفسیر مکمل ہوگئی، اس کے بعد یاران و اصحاب پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور ہمارے زمانے تک کے مسلمان حکمرانوں کے واقعات سب جمع ہوئے، یہ سب سات مجلد ہیں اس کتاب میں اضافہ کردیئے گئے۔

اگرچہ تفسیر طبری کے ترجمے کی قطعی تاریخ معلوم نہیں لیکن اتنا مسلم ہے کہ یہ ترجمہ[۱] ۳۵۰ اور ۳۶۵[۲]ھ کے درمیان مکمل ہوا اس لئے کہ امیر منصور بن نوح کا زمانۂ حکومت یہی ہے۔ ابتدا میں عرض ہوچکا ہے کہ یہ فارسی میں سب سے قدیم تفسیر ہے، اس کے مختلف وجوہ ہیں۔

اولاً یہ کہ مقدمہ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ اس تفسیر یعنی تفسیر طبری کے ترجمے کے قبل کسی اور زبان میں قرآن کا ترجمہ یا تفسیر نہیں لکھی گئی تھی، گویا سب سے قبل علماء کا فتویٰ اس امر کی بابت طلب کیا گیا کہ دوسری زبان میں قرآن کے ترجمے یا تفسیر کا جواز ہے یا نہیں، اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت تک اس طرح کا اقدام نہیں ہوا تھا۔

ثانیاً یہ کہ خراسان اور ماوراء النہر کا خطہ فارسی زبان و ادب کی نشاۃ ثانیہ کا مرکز

---

[۱] امیر منصور عبدالملک بن نوح کی وفات پر امیر بخارا ہوا اور تاریخ بخارا ص۱۱۵ میں اس کی وفات ۸ شوال ۳۵۰ھ درج ہے نیز دیکھئے زین الاخبار ص۱۶۲ جس کی رو سے امیر منصور کی تخت نشینی ۳۵۰ھ کی ہے۔ [۲] زین الاخبار ص۱۶۴ میں منصور کی وفات کی تاریخ ۱۱ شوال ۳۶۵ھ درج ہے

رہا ہے۔ اگر اس عہد سے قبل کوئی کوشش ہوئی ہوتی تو اسی علاقہ ہی میں ہوتی اسی خطے کے ایک بادشاہ کی طرف سے ایک پروگرام کے تحت ایک عربی تفسیر کو فارسی میں منتقلی، اس سے قبل کی کوشش کی نفی کرتی ہے۔

ثالثاً یہ کہ اس کے قبل کی کوئی تفسیر فارسی اب تک مکشوف نہیں ہوئی ہے، جو قدیم تفسیریں دستیاب ہیں وہ سب بعد کی ہیں۔[1]

تفسیر طبری (ترجمہ فارسی) کی اہم خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ترجمہ فارسی اصل عربی سے مختصر ہے، ترجمے میں طویل اسناد بعض جگہ مختصر اور بعض جگہ بالکل حذف کر دیئے گئے ہیں۔

۲۔ اولاً تحت اللفظ ترجمہ ہے، پھر تفسیر شروع ہوتی ہے، اس میں افراد اور واقعات جو قرآن میں مذکور ہیں ان پر تفصیلی یادداشت درج کی جاتی ہے، ساتھ ہی ہر سورہ یا اس کے مختلف اجزار کی شانِ نزول سے بھی بحث ہوتی ہے، سورہ فاتحہ کا ترجمہ و تفسیر ذیل میں درج ہے۔

(ترجمہ) بنام خدا بخشندہ مہربان

سپاس خدائے را پروردگار جہانیان بخشایندہ بخشائشگر، پادشاہ روز دین یعنی روز رستخیز، مر ترا می پرستیم و مر ترا یاری می خواہیم راہ نمائے مارا راہ یعنی دین اسلام، راہ آنکسہا کہ نعمت کردی تو برایشان، نہ راہ آنکسہا کہ تو خشمناک شدی برایشاں یعنی جہودان نہ گمراہان یعنی ترسایان

تفسیر

ایں سورہ فاتحہ الکتاب خوانند و نیز ام الکتاب گویند نیز سبع المثانی گویند، اما فاتحۃ الکتاب از بہر آن گویند کہ ہمہ قرآن بدیں سورۃ گشادہ شود و اوّل ہمہ قرآن ایں سورۃ باید خواندن، اما ام الکتاب از بہر آن خوانند کہ مادر ہمہ قرآن ایں سورہ است و ہمہ قرآن ازیں شکافتہ و ازیں گشادہ آید و بیشتر از ہمہ قرآن اینست، اما سبع المثانی از بہر آں گویند کہ ایں سورۃ ہفت آیت است و ایں دو بار است کہ کلمتہائی آن دو بار آید چنانکہ گوید بسم اللّٰہ الرحمٰن

[1] اس میں تفسیر کیمبرج اور تفسیر سورآبادی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اور دونوں اس ترجمے کے بعد کی ہیں۔

الرحیم''، دیگر بارہ" الرحمٰن الرحیم" وگوید" ایّاک نعبدُ''ودیگر بارہ" ایاک" آید، وگویند" الصراط" ددیگر بارہ" صراط" آید دگویند" علیہم'' ودیگر بارہ
" علیہم" آید' سبع مثانی این باشد۔

سورہ" آلم''میں جو واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:۔

قصۂ کا قران منافقان

قصۂ بیست دہشت مسئلہ کہ جہودان در توریۃ نوشتند

یاد کردن مسئلہ با وجواب پیغامبر

قصہ آفریدن آدم علیہ السلام

سبب آمدن ابلیس از آسمان بر زمین

سجدہ کردن فرشتگان آدم را علیہ السلام

قصہ توبہ آدم علیہ السلام

قصۂ تخم کشتن آدم علیہ السلام

خطبۂ آدم علیہ السلام

قصۂ موسیٰ و ذبح بقرہ

رفتن موسیٰ علیہ السلام د بنی اسرائیل بحرب جبّاران

قصۂ ہاروت د ماروت وہلاک شدن ایشان

قصۂ بنا کعبہ و گردانیدن قبلہ

ایک قوم جو مسخ کر کے بندر کر دی گئی اس کی تفسیر اس طرح ملتی ہے:

این قوم داود بودند بحاضرہ البحر، خدائے برایشان خشم گرفت دکپّی گردانیدشان، یک گروہ این بودند کہ مسخ گشتند، اما دیگر گردہ کہ مسخ گشتند از قوم عیسیٰ بودند اندر شہری بشام برکنار دریا، و داؤد زندہ بودد ماہیان از دریا پیش خداوند عزوجل از آدمیان بنالیدند، گفتند: روز شنبہ روز عید ما باشد و ما نیز بزیارت یکدیگر ردیم، باید کہ بفرمائی تا روز شنبہ

ما را اگر بینذ، خدلئے بزبور اندر فرمود کہ روا نباشد روز شنبہ ماہی گرفتند، چون داؤد از ین جہاں بیرون شد گروہی ماندہ بودند از علماء و نہی ہمی کردند از ماہی گرفتن بروز شنبہ، و بدان دریا ماہی بی عدد بودندی و بروز شنبہ خویشتن را از قعر دریا برکشیدندی و بزیارت یکدیگر شدندی، چون روز شنبہ درگذشتی ہمہ بقعر دریا فرو شندے و ہیچ برنیامندے پس این مردمان مکر کردندے و حوضہا بر آب دریا بکندندے و راہ از دریا بران کردندے و آب اندران افکندندے روز آدینہ و چون روز شنبہ بودے ماہیان بغلبہ بیرون آمدندے و بدان حوض اندر شدندے، چون دانستندے کہ حوض پر شد و ماہیان بر فتندے در حوض استوار کردندے تا روز یکشنبہ بیامدندے و دام بیاوردندے و ماہیان گرفتار کردندے، خدلئے عز و جل بر ایشان خشم گرفت بدان مکر کہ کردند و ہمہ را کپی گردانید۔

یہ قوم داؤد تھی جو سمندر کے کنارے تھی، خدا کے غضب میں وہ لوگ آئے اور وہ سب بندر کر دیئے گئے، ایک جماعت یہ تھی جو مسخ ہوئی ایک اور گروہ جو مسخ ہوا وہ عیسیٰؑ کی قوم کے تھے، شام کے ایک شہر میں سمندر کے کنارے آباد تھے۔ اور داؤد زندہ تھے سمندر کی مچھلیوں نے خدائے بزرگ و برتر کے دربار میں آدمیوں کے ظلم کی فریاد کی اور عرض پرداز ہوئیں کہ سنیچر کا دن ہمارا عید کا دن ہے ہم اس روز ایک دوسرے سے ملنے جاتے ہیں، آپ فرمادیں کہ ہمیں سنیچر کے روز نہ پکڑیں، خدا نے زبور میں ہدایت فرمائی کہ سنیچر کے روز مچھلی کا شکار جائز نہیں، جب داؤدؑ کی وفات ہوئی، علماء کی ایک جماعت باقی تھی، وہ لوگ سنیچر کے روز مچھلی پکڑنے کی ممانعت کرتے اس سمندر میں مچھلیاں بے شمار تھیں، سنیچر کو سمندر کی تہ سے باہر آتیں

اور ایک دوسرے سے ملتی ملاتیں، سنیچر گذر جاتا تو پھر سمندر کی تہ میں
چلی جاتیں اور پھر نہ نکلتیں، پس ان لوگوں نے مکر کیا، سمندر کے کنارے
حوض کھودنے، سمندر سے اسے ملا دیتے، اور پھر اس کو جمعہ کے روز
پانی سے بھر لیتے، سنیچر کے روز مچھلیاں ذوق و شوق سے باہر آتیں اور
حوض میں بھر جاتیں، جب ان لوگوں کو یقین ہو جاتا کہ مچھلیوں سے حوض
بھر گیا تو حوض کا دروازہ بند کر لیتے، پھر اتوار کو آتے، جال لاتے اور
مچھلیوں کا شکار کرتے، خدا نے ان پر مکر کی وجہ سے غضب کیا اور سب
کو بندر میں تبدیل کر دیا۔

۳۔ ترجمہ تفسیر طبری میں آخری سات مجلدات ایسے ہیں جو اصل میں شامل نہیں، یہ مجلدات ان مخصوص امرا و سلاطین کے حالات کو حاوی ہیں جو ترجمہ کے دور تک گذرے ہیں، یہ مجلدات تاریخ کے اہم ماخذ ہیں۔

ترجمۂ تفسیر طبری کی اہمیت حسب ذیل وجوہ سے ہے۔

۱۔ یہ سب سے قدیم فارسی تفسیر ہے، اگرچہ اصل تفسیر عربی میں ہے، لیکن نوح بن منصور کے دور تک کسی مفسر نے فارسی میں تفسیر نہیں لکھی تھی، اس کی بنا پر اس ترجمہ کی اوّلیت برقرار ہے۔

۲۔ لسانی اعتبار سے اس ترجمہ کی بڑی اہمیت ہے، اس سے قبل کی کوئی فارسی کتاب نہ اتنی ضخیم ہے اور نہ اتنی علمی، فارسی زبان کے ارتقا میں اس ترجمے کا بڑا حصہ ہے اس میں ہزاروں الفاظ، فقرات، مرکبات، اصطلاحات ہیں جو اس دور کی کسی کتاب میں نہیں۔ اس لحاظ سے خود اس کا لسانی مطالعہ اہم لسانی نتائج کا حامل ہے۔

۳۔ یہ ترجمہ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں عمل میں آیا، اس وقت تک چند ہی کتابیں فارسی میں ملتی ہیں۔ اس لحاظ سے اس ضخیم کتاب کا وجود فارسی ادب میں قابل قدر اضافہ ہے، یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ اس وقت تک کی ساری کتابوں کا جو حجم ہوگا اس پر یہ تفسیر بھاری ہے۔

۴۔ اس تفسیر بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہے، مثلاً
اس کے آخری مجلدات جیسا کہ قبل میں ذکر ہو چکا ہے سیاسی تاریخ کے اہم ماخذ کا کام کرتے ہیں۔
مقدمے میں چند امور تاریخی اہمیت کے ہیں،
(الف) اس میں تدوینِ قرآن پر ایک الگ عنوان کے تحت بحث کی گئی ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:
قرآن متفرق حالت میں تھا، صرف ابی بن کعب کے پاس مصحف مکمل شکل میں تھا، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد لوگوں میں قرآن کے بارے میں اختلاف ہوا، جب حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہوئے تو انھوں نے قرآن کی جمع آوری کا قصد کیا تاکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ختم ہو جائے، پس ابی بن کعب کے پاس جو مصحف تھا وہ حاصل کیا گیا اور اس سے ایک نسخہ تیار ہوا اس کے بعد اعلان ہوا کہ جس جس کے پاس قرآن کے اجزا رہوں وہ لائیں، لوگ لاتے اور حضرت عثمانؓ کے نزدیک جو معتبر قرار پاتا وہ لکھ لیتے، ایک اعرابی نے کہا میرے پاس حسب ذیل دو سورہ ہیں۔ اول یہ:

اللھم انا نستعینك ونستغفرك ونستھدیك ونؤمن
بك ونتوكل علیك ونثنی علیك الخیر كلہ نشكرك
ولا نكفرك ونخلع ونترك من یفجرک۔

دوسری یہ:۔

اللھم ایاك نعبد ولك نصلی ونسجد والیك
نسعی ونحفد نرجو رحمتك ونخشی عذابك
ان عذابك بالكفار ملحق۔

حضرت عثمان نے کہا کہ تیرے پاس ان کے قرآن کا حصہ ہونے کی کوئی دلیل ہے، اعرابی کے نفی کے جواب پر حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں ان کو قرآن میں داخل نہیں کر سکتا، لیکن اچھی دعا ہے، وتر کی نماز میں اس کو پڑھا کریں تاکہ محفوظ رہے۔

مقدمے میں سات علمار اور ایک امیر کا نام محفوظ ہے جن کے ذریعہ ترجمے کا عمل انجام پذیر ہوا، امیر منصور بن نوح نے متعدد علمار کو اس سلسلے میں دعوت دی تھی، لیکن مقدمے میں صرف سات کا نام درج ہے، مثلاً حسب ذیل چار بخارا کے علمار کو دعوت دی گئی تھی:

۱۔ ابوبکر محمد بن الفضل الامام
۲۔ ابوبکر محمد بن اسماعیل الفقیہ
۳۔ ابوبکر احمد بن حامد الفقیہ
۴۔ خلیل بن احمد السجستانی

حسب ذیل تین بلخ کے علماء کا نام درج ہوا ہے:۔
۱۔ ابوجعفر محمد بن علی (باب الہند سے)
۲۔ ابوالحسن علی بن مندوست الفقیہ
۳۔ ابوجہم خالد بن ہانی۔

ابوالحسن فائق الخاصہ خادم امیر منصور کے ذریعے مترجمین کے انتخاب کا فرمان نافذ ہوا۔

اگرچہ یہ سارے افراد اس زمانے کے جید علمار میں تھے، لیکن مشہور تاریخوں، تذکروں اور انساب کی کتابوں میں تین کے بارے میں اطلاع درج ہے۔

ابوبکر محمد بن الفضل الامام، خلیل بن احمد سجستانی، ابوجعفر محمد بن علی بلخی۔ ان میں ہر ایک کے بارے میں مختصر یادداشت درج کی جاتی ہے۔

۱۔ ابوبکر محمد بن الفضل[1] (متوفی ۳۸۱ھ) بڑے درجے کے امام اور شیخ تھے، بخارا کے قریب قریۂ کماری آپ کا مسقط الراس ہے، وہ اپنے دور میں اتنے مشہور ہوئے

---

[1] ان کے حالات الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ چاپ مصر ۱۳۲۲، ص ۱۸۴ سے ماخوذ ہیں۔ نیز دیکھئے الجواہر المضیۂ طبع حیدرآباد، جلد ۲ ص ۱۰۷

کہ دور دور سے تشنگان علم آتے اور اپنے علم کی پیاس اس سرچشمے سے بجھاتے ، ان کے اساتذہ میں ان کے والد، ابوحفص، عبداللہ السبزمنی اور محمد تھے، السمعانی نے ان کی اولاد میں بڑی مشہور شخصیات کا ذکر کیا ہے ، مثلاً:۔

عثمان بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن ابوبکر محمد بن الفضل بن جعفر بن جا دانجاری ۔۔۔ ان کی پیدائش ۴۲۶ھ میں بخارا میں ہوئی اور وہیں ۵۰۸ ہجری میں فوت ہوئے ان کے بیٹے:۔

قاضی ابومحمد عبدالعزیز بن عثمان بن ابراہیم الفضلی بھی بڑے فاضل تھے ، بڑے بااخلاق بزرگ تھے، ان کی وفات بخارا میں ۵۳۳ہجری میں ہوئی ۔

ابوبکر محمد بن الفضل کے اخلاف میں ایک بزرگ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن محمد بن احمد بن ابوبکر محمد بن الفضل بخارا کے خطیب تھے، ان کی وفات ۵۴۹ھ میں واقع ہوئی ۔

فوائد البہیہ میں طبقات القاری کے حوالے سے ابوبکر محمد بن الفضل کے نام سے ایک واقعہ نقل ہے ، کہتے ہیں ایک مرتبہ ابن الفضل فرغانہ پہنچے اور قاضی خاں کے ایک جلسے میں تشریف لے گئے ، اس جلسے میں بڑے بڑے علماء موجود تھے ، جو قاضی خاں کی تقریر نقل کر رہے تھے ، دوران تقریر میں قاضی خاں نے قاضی ابو یوسف اور محمد کے اقوال الٹ دئیے ، ابوبکر محمد بن الفضل نے فوراً ان کی صحت کی ، اس کا قاضی خاں پر اتنا اثر ہوا کہ منبر سے اتر آئے اور ان سے مخاطب ہوئے ، جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ وہی ابوبکر محمد بن الفضل ہیں تو بول اٹھے کہ منبر آپ کے لئے سزاوار ہے ۔

مگر یہ[۲] قصہ ابوبکر محمد سے متعلق نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ان کے اور قاضی خاں کے زمانے میں دو صدی سے زیادہ کا فرق ہے ، ابوبکر محمد کا انتقال ۳۸۱ھ میں ہوا اور قاضی خاں ۵۹۲ھ میں فوت ہوئے ، چنانچہ صاحب فوائد البہیہ نے صحیح لکھا ہے کہ قاضی خاں کی ملاقات ابوبکر محمد بن الفضل سے نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے اخلاف میں ابوبکر محمد بن ابراہیم

---

[۲] صاحب فوائد البہیہ کی یہ رائے ہے، جو بالکل درست معلوم ہوتی ہے ۔

بن محمد بن احمد بن ابوبکر محمد بن الفضل سے جو ۴۹۰ھ میں فوت ہوئے[1] ہوئی ہوگی۔
اگر اس موضوع پر تحقیق و تدقیق کی جائے تو اس خانوادے کی اور علمی سرگرمیاں سامنے آئیں گی۔

۲۔ خلیل بن احمد السجستانی

مقدمے میں مذکور ایک اور شخصیت جو بعد کے مورخوں اور تذکرہ نویسوں کی توجہ کا مرکز بنی ہے وہ خلیل بن احمد بن محمد بن خلیل بن موسیٰ بن عبداللہ ابوسعید السجزی یا السجستانی کی ہے، انھوں نے فقہ اسلامی میں غیر معمولی شہرت حاصل کی تھی، وہ بڑے سیاح بھی تھے، فارس، عراق، خراسان، حجاز، شام، الجزیرہ، وغیرہ خطوں کی سیر کی تھی۔ ان کی وفات ۳۶۸ھ میں سمرقند میں ہوئی، وہ ایک کہنہ مشق شاعر بھی تھے، الجواہر المضیئہ میں ان کے دو قطعے درج ہیں، منصور بن نوح کے عہد میں وہ بخارا میں تھے اسی وجہ سے ان کا نام مقدمے میں علمائے بخارا کے ساتھ مذکور ہے۔[2]

۳۔ بلخ سے جو علماء امیر منصور بن نوح نے مدعو کئے تھے، ان میں سے ایک ابوجعفر محمد بن علی بتائے گئے ہیں، اور ان کو بلخ میں باب الہند کا بتایا گیا ہے، دراصل اسی عہد کے ایک مشہور عالم بلخ کے دروازہ ہندوان کے ساکن، ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر ہیں جن کا ذکر اکثر کتابوں[2] میں آیا ہے، ان کے کسی قدر تفصیلی حالات فضائل بلخ نامی کتاب میں دیئے گئے ہیں، اس کتاب کا مولف صفی الدین بلخی تھا، اور تاریخ تالیف ۶۱۰ھ ہے، یہ مفقود ہے، البتہ اس کا فارسی ترجمہ جو عبداللہ بن محمد بلخی کے ذریعہ ۶۷۶ھ[3] میں عمل میں آیا تھا، وہ باقی ہے، اور وہی صاحب ترجمہ کے واقعات کا سب سے مفصل ماخذ ہے۔

---

[1] دیکھئے الجواہر المضیہ طبع حیدرآباد جلد ۱ ص ۲۲۴
[2] اللباب ج ۲ ص ۲۹۵، الفوائد البہیہ ص ۱۷۹، الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۶۸، اسمار المولفین ص ۳۴
[3] شیخ نمبر ۴۹، ص ۳۵۹-۳۸۲

میرا قیاس ہے کہ مقدمۂ ترجمہ تفسیر طبری میں مذکور ابو جعفر محمد وہی بزرگ ہیں جن کا تذکرہ فضائل بلخ اور دوسری تصانیف میں پایا جاتا ہے، اور باوجود باپ کے نام میں فرق ہونے کے (مقدمہ میں مذکور ابو جعفر محمد کے باپ کا نام علی ملتا ہے، اور دوسرے ماخذ میں عبداللہ) میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ دونوں شخصیتیں بظن غالب ایک ہی ہیں، میرے قیاس کی بنیاد حسب ذیل امور پر ہے :-

۱۔ دونوں کے نام (محمد) اور کنیت (ابو جعفر) کی یکسانی۔

۲۔ دونوں کے زمانے کا ایک ہونا۔ اکثر کتابوں میں ابو جعفر محمد کا سنہ وفات[1] ۳۶۲ ہجری بتایا گیا ہے۔ اس طرح وہ امیر منصور بن نوح (متوفی ۳۶۵) کا اور مقدمۂ ترجمہ تفسیر میں مذکور ابو جعفر محمد کا ہم عصر تھا۔

۳۔ تاریخوں میں مذکور ابو جعفر محمد کی سکونت بخارا فضائل بلخ وغیرہ سے ثابت ہے۔ ان کی وفات ۳۶۲ میں بخارا میں بتائی گئی ہے، وہاں سے ان کی لاش بلخ لائی گئی اور ان کے خاندانی قبرستان دروازہ ہندوان میں دفن کی گئی، یہ زمانہ منصور بن نوح کی حکومت کا تھا

۴۔ تاریخوں میں مندرج ابو جعفر محمد ہندوستانی نسبت سے مذکور ہوئے ہیں، اور دروازہ ہندوان میں ان کے خاندانی قبرستان کی نشاندہی کی گئی ہے، اور مقدمے میں ان کو باب الہند سے منسوب بتایا گیا ہے، دروازہ ہندوان باب الہند کا فارسی مترادف ہے۔

غرض ان وجوہ سے میں نے تاریخوں میں مذکور ابو جعفر محمد اور مقدمہ ترجمۂ تفسیر کے ابو جعفر محمد کے ایک ہونے پر قیاس کیا ہے۔ اس قیاس کی صحت کے بعد یہ طے کرنا ہوگا کہ ان کے باپ کا نام شائد علی نہ ہو بلکہ عبداللہ ہو، علی چونکہ ایک جگہ (مقدمے میں) آیا ہے اور عبداللہ کئی ماخذ میں ہے، اس لئے آخر الذکر نام کو ترجیح دی گئی ہے، اس ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ مقدمے کے نسخوں میں اختلاف کی گنجائش ہے، چنانچہ صفا صاحب نے جو اقتباس مقدمے سے نقل کیا ہے اس میں گو باپ کا نام علی ہی درج کیا ہے، لیکن دروازۂ ہند

---

[1] فضائل بلخ صنہ ۲۶ متن وحاشیہ

کی نسبت دوسرے عالم الحسن بن علی بن مندست کی طرف دکھائی ہے، نیز آخر الذکر کے نام میں یہ اختلاف بھی موجود ہے۔ الحسن بن علی مندوہی، ان اختلافات کی موجودگی سے یہ قیاس درست ہے کہ مقدمہ کا متن شبہ سے خالی نہیں، جب کہ مختلف تاریخوں میں ناموں کی یکسانی اس کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔

ابوجعفر محمد بلخ میں پیدا ہوئے، وہیں نشو و نما پائی، اور علوم حاصل کئے، پھر بخارا چلے گئے جہاں ۶۲ سال کی عمر میں ۳۶۲ھ میں وفات پائی، ان کی لاش بلخ لائی گئی اور خاندانی قبرستان دروازہ ہندوان میں[1] دفن ہوئی۔

ابوجعفر بڑے درجے کے عالم، محدث اور فقیہ تھے، فضائل بلخ میں ان کی روایت سے کئی احادیث مندرج ہیں، مشہور محدث اور فقیہ ابواللیث سمرقندی[2] نے ان کی روایت کردہ متعدد احادیث نقل کی ہیں، خاص طور پر اصحاب الاخدود[3] والی حدیث، ابوجعفر عوام اور خواص میں یکساں طور پر مقبول تھے، ان کی وفات کے بعد لوگ ہر شنبہ کو برکت کی غرض سے ان کی قبر پر فاتحہ کے لئے حاضری دیتے ، ابوجعفر محمد کے سپرد دروازہ ہندوان کی نگرانی بھی تھی، کہتے ہیں کہ ابواللیث سمرقندی کی ملاقات ابوجعفر سے اسی دروازے پر ہوئی اور وہ آخر الذکر کے اخلاق سے بے حد متاثر ہوئے تھے۔

۴۔ بلخ کے علماء میں جو مقدمے میں مذکور ہیں ایک عالم ابوجہم خالد بن ہانی تھے، ان کا نام لغت نامہ دہخدا میں ملتا ہے، لیکن اس میں نہ کوئی تفصیل ہے اور نہ ماخذ کا حوالہ

۵۔ ایک اور شخصیت جو مقدمۂ تفسیر طبری میں مذکور ہے وہ ابوالحسن[4] فایق الخاصہ کی ہے، اس کے ذریعہ امیر منصور بن نوح کے فرمان کا نفاذ ہوا تھا، وہ امیر مذکور کا خادم

---

[1] فضائل بلخ ص۳۵۹ اور آگے [2] ان کے حالات کے لئے دیکھئے فضائل بلخ ص۲۷۸ ان کی وفات بلخ میں ۳۷۶ھ میں ہوئی۔ ان کے حالات کے اہم ماخذ یہ ہیں۔ الجواہر المضیئہ، الفوائد البہیہ، الاعلام وغیرہ
[3] فضائل بلخ ص۲۶۶ اور آگے [4] ابوالحسن کنیت صرف مقدمہ ترجمۂ تفسیر طبری میں ملتی ہے۔

بتایا گیا ہے، اس دور میں فائق الخاصہ نام کا ایک مشہور اور با اثر امیر گذرا ہے جس کا ذکر اس عہد کی تاریخوں[1] میں برابر ملتا ہے، مقدمے سے پتا چلتا ہے کہ منصور کے زمانے میں وہ کافی امیر تھا، چنانچہ مقدمے سے ظاہر ہے کہ ترجمہ کے متعلق فرمان کے نافذ کرنے کی ذمہ داری فائق الخاصہ کے سپرد تھی، لیکن زین الاخبار گردیزی، تاریخ بیہقی، تاریخ عتبی میں فائق الخاصہ کا ذکر امیر منصور کے بیٹے نوح بن منصور کی خلافت سے شروع[2] ہوتا ہے جو اپنے باپ کی وفات پر ۳۶۵ھ میں بخارا کے تخت پر بیٹھا تھا، اگرچہ تاریخوں میں کسی واقعے کے عدم ذکر سے اس کے غلط ہونے کا استدلال نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ تاریخ میں محض اہم واقعات کا ذکر ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات اہم واقعات بھی مندرج ہونے سے رہ جاتے ہیں، بہرحال زین الاخبار میں[3] واضح طور پر لکھا ہے کہ نوح تخت نشینی پر فائق الخاصہ اور تاش حاجب کے سپرد ہوئے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں امیر دفعتاً اتنے اہم نہیں ہوئے ہوں گے بلکہ اس کے باپ یعنی امیر منصور کے زمانے میں وہ مسلمہ اہمیت کے مالک ہو چکے ہوں گے، زین الاخبار[4] کے الفاظ یہ ہیں:-

> چوں نوح بن منصور بخلافت نشست ہنوز بالغ نبود و بیست و یکسال و نہ ماہ ولایت داشت...... وکارہائے خویش بہ فائق الخاصہ و تاش الحاجب سپرد۔

تاریخوں میں مندرج واقعات سے ظاہر ہے کہ نوح بن منصور کے بائیس سالہ دور حکومت (۳۶۵ - ۳۸۷) میں سب سے زیادہ با اثر شخصیت فائق الخاصہ کی رہی ہے،

---

[1] دیکھئے زین الاخبار چاپ تہران ص ۱۶۵ تا ۱۷۳، تاریخ بیہقی چاپ تہران ۱۳۲۴، صفحہ ۲، ۲۰۷، ۴۱۳، ۶۲۰، ۶۴۲ - ۶۴۳ [2] تاریخ گزیدہ ص ۴۲۰ میں اس کو نوح بن منصور کے عہد کا امیر بتایا ہے جو اس امیر کی جانب سے قابوس بن وشمگیر اور فخر الدولہ کی مدد کے لئے آیا تھا۔

[3] ص ۱۶۵، نوح بن منصور کی تخت نشینی امیر منصور بن نوح کی وفات ۱۱ شوال ۳۶۵ ہجری کے بعد ہوئی۔ [4] ص ۱۶۵۔

چنانچہ کوئی اہم کام ایسا نہیں جس میں وہ شریک نہ رہا ہو، ۳۸۷ھ[1] میں نوح کی وفات پر اس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا، اس کے دو سالہ[2] عہد میں فائق الخاصہ کا اثر اسی طرح باقی رہا، آخر میں عبدالملک بن نوح کے عہد میں ۳۸۹ھ[3] میں فائق کا انتقال ہو گیا، سامانی دور میں فائق الخاصہ کے کارنامے یادگار رہیں گے، یہی وہ امیر تھا جو غزنویوں کے اثرات کے ماوراءالنہر میں پھیلنے میں سخت مانع رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ فائق الخاصہ بعض لحاظ سے اپنے دور کی ممتاز ترین شخصیت ہے اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں تفسیر قرآن کے فارسی ترجمے سے رہا ہے۔

ترجمہ تفسیر طبری اواسط چوتھی صدی ہجری کی ضخیم کتاب ہے، اس سے فارسی زبان و ادب کے ارتقاء کی داستان مرتب ہو سکتی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اس دور کی کوئی کتاب اتنی ضخیم موجود نہیں، اس لئے اس کا دقیق مطالعہ ابتدائی فارسی زبان و ادب کے سارے مسائل کو واضح کر سکتا ہے، یہ ترجمہ نہایت سادہ زبان میں ہوا اس لئے اس کی اہمیت ادب سے زیادہ زبان کے لحاظ سے ہے، چنانچہ ذیل میں اس کی زبان کے اہم خواص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ زبان کے خواص کا تعین دراصل دستوری اور لغوی مطالعے کا متقاضی ہے۔ اس سلسلے میں چند قابل ذکر امور یہ ہیں:

ا۔ اس دور کی جملہ بندی کے اصول آج سے مختلف ہیں، کبھی کبھی فاعل مفعول، مبتدا خبر اور متعلقات وغیرہ جملے میں بدلی ہوئی جگہ پر ملتے ہیں۔

این کتاب را بیاوردند از بغداد ، موجودہ صورت میں "از بغداد" فعل سے قبل آنا چاہئے۔

---

[1] نوح کی وفات شعبان ۳۸۷ھ میں ہوئی (زین الاخبار ص ۱۷۲)

[2] امیر فائق اور دوسرے امیر بکتوزون نے منصور بن نوح کی آنکھ میں صفر ۳۸۹ھ میں سلائی پھرا کر اندھا کر دیا، اور اس کے بجائے امیر ابوالفوارس عبدالملک بن نوح کو تخت نشین کرایا، منصور کی حکومت صرف ۱۹ ماہ تھی (بیہقی ص ۶۴۱) [3] فائق کی وفات شعبان ۳۸۹ میں ہوئی (زین الاخبار ص ۱۷۳، بیہقی ۶۴۲)

چہل مصحف بود نبشتہ بزبان تازی (معمولاً بزبان تازی نبشتہ سے قبل آنا چاہیے)
بیاوردند سوی امیر سید ملک مظفر ابوصالح (اس میں فعل آخر میں آنا چاہیے)
چناں خواست کہ مراین کتاب را ترجمہ کنند بزبان پارسی
(بزبان پارسی ترجمہ کنند سے پہلے آنا چاہیے۔)

۲۔ عربی الفاظ کی جمع فارسی طریقے سے بنانے کا رواج ابتدا[1] میں عام تھا، یہی طریقہ اس تفسیر میں بھی ملتا ہے، جیسے حرفہا، طعامہا، روایتہا، حوضہا وغیرہ۔

۳۔ جمع الجمع کا استعمال قدیم زمانے میں بھی رائج تھا، اس میں بھی ملتا ہے، جیسے[2] ملوکان، یعنی ملک کی جمع عربی ملوک۔ اور اس سے جمع بقاعدۂ فارسی ملوکان۔

۴۔ جاندار کی جمع غیر ذوالعقول کی طرح بنائی گئی جیسے،
کسہا[3] بجائے کسان (یعنی جمع کس = شخص)

۵۔ یکی کا استعمال[4] بھی یائے تنکیر کے عوض میں اور کبھی اس کے ساتھ بھی استعمال ہوا ہے جیسے یکی پیرزنی اور یکی سنگی نہادند۔

۶۔ حرف[5] جار (اندر) کا استعمال مجرور کے بعد قدیم زمانے میں عام تھا، دھیرے دھیرے کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ غالب نے کلام میں ندرت پیدا کرنے کے لئے ۱۸ ویں صدی میں استعمال کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

بشب اندر، نگریستن بدان اندر، بدست خلق اندر، بدست ہیچکس اندر، بقرآن اندر، بہ بیابان اندلس اندر، بدان نام اندر، بدان سور اندر۔

---

[1] تفسیر قرآن مجید (نسخہ کیمبرج) مقدمہ ص ۳۴ [2] ایضاً ص ۳۵
[3] کس کی جمع کسہا کے لئے دیکھئے مقدمہ تفسیر قرآن (نسخہ کیمبرج) ص ۳۶
[4] بعینہ اسی صورت کے لئے دیکھئے مقدمہ تفسیر ص ۳۸،
[5] ترجمہ تفسیر طبری اور تفسیر قرآن (نسخہ کیمبرج) کے دستوری خصائص کا مطالعہ نہایت دلچسپ ہے، اس سلسلے میں آخر الذکر کتاب کا عالمانہ مقدمہ قابل دید ہے۔

۷۔ حذف علامت مفعول صریح کا استعمال بھی خال خال ملتا ہے:۔

ایں صورت فاتحۃ الکتاب خوانند

تا خدای این قاتل پیدا کند

۸۔ قلب اضافت کی صورت فارسی میں اب تک باقی ہے، معلوم ہوا کہ ابتدائی دور سے یہ صورت مروج تھی، جیسے مارا حاجت خواہ (یعنی حاجت من) ترا یاری خواہم (یعنی یاری تو)۔

۹۔ صفت و موصوف کے درمیان فعل لانا فارسی میں ہنوز متداول ہے جیسے:۔

سنگی آنجا بود دراز (یعنی سنگی دراز آنجا بود)

۱۰۔ صفت تفضیل کی بعض نئی شکلیں از قسم لبیار مردتر، فراخ آب تر، فراخ میوہ تر فراخ گوشت تر، وغیرہ۔

۱۱۔ افعال کی تکرار قدیم زمانے میں متداول تھی، اس کتاب سے بھی اس کا وافر ثبوت فراہم ہوتا ہے، مثال ملاحظہ فرمائیں۔

فاتحۃ الکتاب خوانند، نیز ام الکتاب گویند، نیز سبع المثانی گویند دبدین زمانہ ما ازیں ہیچ چیز نیست و بدست ما ازیں ہیچ حجت نیست۔

۱۲۔ اسم الجمع کے لئے فعل جمع کا استعمال جیسے خلق رستند، گروہی گویند،

۱۳۔ می اور ہمی دونوں کا ساتھ ساتھ استعمال جیسے ہمی سنگ می بریدہ، ممکن ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو، اس خصوصیت کے تعین کے لئے کتاب کے دقیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ ہمی کا اصل فعل سے جدا استعمال جیسے مارا ہمی افسوس کنی، ہمی سنگ می بریدہ۔

۱۵۔ افعال کے ساتھ لاحقہ کا عمومی استعمال جیسے فرو فرستادن۔ فرو نہادن، فرو داشتن، فرو آمدن، فرو شدن، فرو نہادہ آمدن فرانگریستن، بازرستن، بازگشتن اندریافتن، برکشیدن، بر آمدن، برنداشتن، اندر آوردن، اندر شدن، درگذشتن وغیرہ

۱۶۔ ماضی استمراری کے بجائے ماضی شرطی کا عمومی استعمال یعنی بجائے "می آمد" کے "آمدے" وغیرہ۔

۱۷۔ شدن بمعنی رفتن کا استعمال قدما کے یہاں عام طور پر ملتا ہے، یہ کتاب بھی اس کی شاہد ہے جیسے بمکہ شد۔

۱۸۔ ماضی مطلق کی جگہ ماضی قریب کا استعمال جیسے بمکہ فرو آمدہ است، بجائے بمکہ فرو آمد۔

۱۹۔ توانستن کے استعمال کی مثالیں۔ نتوانم آوردن، بتوانی دانستن، تواند داشتن وغیرہ۔

۲۰۔ جمع غیر ذوی العقول کے ساتھ فعل واحد کا عمومی استعمال جیسے دیگر سورتہا کہ آوردہ بودندکہ فہرست نشدہ بود، سورتہا فرو آمدہ است۔

۲۱۔ متعلق فعل کا فعل سے جدا استعمال جیسے نکو تفسیر آن صورت نگاہ کنی یعنی تفسیر آن سورت را نکو نگاہ کنی۔

ترجمہ تفسیر طبری کے دقیق مطالعے سے زبان کی اور خصوصیات کا تعین ہو سکتا ہے، لیکن فی الحال اس کا موقع نہیں، اب میں نسخۂ رامپور کے بارے میں ایک مختصر گزارش پیش کرنا چاہوں گا، اس لئے کہ یہی نسخہ ہمارے مطالعے میں رہا ہے۔

یہ ایک ضخیم نسخہ ہے جس میں ۴۳۹ صفحے ہیں، اس کا خط نسخ روشن ہے، ہر صفحے میں ۷ سطریں ہیں، کتابت کا سن درج نہیں، البتہ اس کے املائی اور دیگر کیفیات سے بعض محققین نے اندازہ لگایا ہے کہ اس کی کتابت ۶۰۰ ہجری کی ہے، مخطوطے کا دقیق مطالعہ اس قیاس کا موید نہیں قرار پا سکتا، اس مخطوطہ کو اگر کیمبرج یونیورسٹی کے مخطوطہ سے تقابلہ کیا جائے تو اس کا موخر ہونا واضح ہو جائے گا، کیمبرج کا نسخہ ۶۲۸ ہجری کا لکھا ہوا ہے، رامپور کا نسخہ اس سے کم از کم ایک صدی بعد کا ہوگا۔

نسخۂ رامپور ناقص الآخر ہے، اس بنا پر نہ کاتب کا نام معلوم ہے اور نہ تاریخ کتابت اور نسخہ سورہ نساء کی آیت ۶۳ کے طویل اقتباس پر ختم ہو جاتا ہے یا ایہا الناس اتقوا...... واعرض عنہم وعظہم وقل لہم فی انفسہم قولاً بلیغا۔

دراصل ترجمۂ تفسیر میں یہ طریقہ کار برتا گیا ہے کہ پہلے قرآن کا اقتباس ہے، پھر

اس کے بعد اس کی تفسیر، سورۂ نسار کی ۳۶ آیات تو نقل ہیں مگر ان کی تفسیر کی عدم موجودگی سے واضح ہے کہ نسخہ یہاں ناقص ہے، لیکن کسی عیار نے بعد میں اختتام پر ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔

"تفسیر طبری عن خط مرزا محمد مجتہد

اس اضافہ والی تحریر کا خط، سیاہی اور قلم اصل مسودے سے مختلف ہے البتہ جہاں آیات قرآنی ختم ہوئی ہیں "صدق اللہ العظیم" اس سے قیاس ہوتا ہے کہ نسخۂ رامپور کا منقول عنہ غالباً ناقص تھا، اس نسخے کے بعض قابل ذکر املائی خصائص حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پ، چ، ژ، گ، ب، ج، ز، ک سے ظاہر کئے گئے ہیں۔

۲۔ دال وذال کا فرق عمومی طور پر برقرار رکھا گیا، یعنی جن فارسی لفظوں میں دال کے پہلے مصوتہ (کوتاہ یا بلند) ہے، وہ ذال سے ملتا ہے، جیسے آمذ، باذ وغیرہ۔

۳۔ کاف موصول اور کاف بیان "کہ" کے بجائے "کی" سے ادا ہوئے ہیں۔

۴۔ چہ کا املا آج کل کی طرح ہے۔ لیکن "آنچہ" میں ہائے مختفی محذوف رکھی گئی ہے۔ اور اس کا املا "انچ" ہے یہی صورت چنانک، آنک، میں ہے۔

۵۔ جمع کی صورت ہے ہائے مختفی محذوف ہے یعنی قصہ ہا کے بجائے قصّہا، یہ قدیم متون میں املا کی عام روش ہے۔

۶۔ علامت اضافت "ی" ہمزہ کے بغیر آئی ہے، جیسے ردی علما، سوی امیر

۷۔ الفاظ مختوم بہ "ی" میں یائے تنکیر بصورت ہمزہ ہے، جیسے دعائی نیکو موجودہ املا میں عام طور پر اسی کی پیروی ہوتی ہے، خصوصاً ہندوستان میں۔

۸۔ ہائے مختفی والے الفاظ میں ہمزہ بطور علامت اضافت استعمال ہوئی ہے، یہی جدید املا ہے جیسے خانۂ کعبہ۔

۹۔ عربی الفاظ مختوم بہ الف میں "ء" علامت اضافت کے طور پر استعمال ہوئی ہے، یہی قدیم روش ہے، جیسے قصّہاء یاران پیغمبر۔

۱۰۔ حرف جار "بہ" اور بائے زینت ہمیشہ لفظ سے پیوست ملتے ہیں۔

۱۱۔ بعض مرکب الفاظ کبھی کبھی جدا ملتے ہیں جیسے پیغام بر، ہم چنیں۔

۱۲۔ داود جیسے الفاظ میں خال خال ہمزہ کا استعمال ہوا ہے جیسے دائود، عام طور پر قدیم متون میں اس سے احتراز ملتا ہے۔

۱۳۔ بعض الفاظ جو تائے تانیث پر ختم ہوتے ہیں دونوں طرح پر ملتے ہیں، کبھی گول ۃ اور کبھی لمبی 'ت'، کی شکل میں، جیسے سورۃ دسورت۔

۱۴۔ بعض اعلام میں الف محذوف ہے جیسے اسمعیل، ابرہیم۔

۱۵۔ بعض الفاظ میں حروف پر اعراب ہے جیسے ترجُمہ (جیم مضموم) اور شَشَ (ش مفتوح)

۱۶۔ بعض الفاظ میں حرف 'ی'، کے دائرہ میں دو نقطے لکھے گئے ہیں جیسے خدایۍ۔

۱۷۔ بعض جگہ جملوں اختتام پر یہ علامت درج کی گئی ہے ⊙، کچھ آیت قرآن سے مشابہ شکل۔

۱۸۔ کہ، چہ اکثر مقامات پر اصل لفظ سے پیوست آئے ہیں۔ پانچویں، چھٹی، ساتویں صدی کے مخطوطات میں عام طور پر اس وصف کی رعایت کی گئی ہے۔

سطور بالا میں سب سے قدیم فارسی تفسیر کا تعارف ہے جو اصل عربی سے فارسی میں منتقل ہوئی ہے، جو امور معرض بحث میں آئے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ ترجمہ کن حالات میں ہوا۔

۲۔ امیر منصور بن نوح کا فرمان علماء کی جمع آوری کے لئے۔

۳۔ علماء جو مختلف شہروں سے بلائے گئے ان میں چند کا نام۔

۴۔ ان چند علماء میں بعض کا کسی قدر تفصیلی تعارف۔

۵۔ اس تفسیر (ترجمہ) کی اہمیت۔

۶۔ اس کی دستوری خصوصیات۔

آخر میں نسخہ رامپور جو خصوصی مطالعہ میں رہا ہے، اس کا مختصر تعارف مع اس کے املائی خصوصیات کے۔ ••